راحیل فاروق

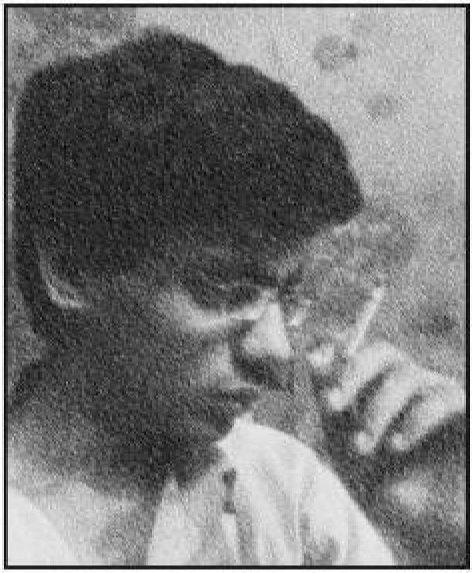

میرے ہم راز نے کیا خوب کہا تھا راحیلؔ
تجھے ممکن ہے یہی ذوقِ نظر لے ڈوبے

DASTAK PUBLICATIONS
Gulgasht Colony Goal Bagh Multan.
Tel: 0302-7769622
email: dastakpublication@yahoo.com

زار

زار

راحیل فاروق

دستک پبلی کیشنز گول باغ، ملتان
dastakpublication@yahoo.com

ابد کی رقص گاہوں کی قسم
دھواں سب سے بڑا رقاص ہے
(حسنین شہزاد)

جملہ حقوق نیئرؔ مصطفیٰ کے نام محفوظ ہیں

باراوّل ـــــ ۱۰ جولائی ۲۰۱۰ء

انتخاب: حسنین شہزاد، وسیم فائق

ناشر: منور آکاش

پرنٹرز: جویریہ پرنٹنگ پریس ملتان

کمپوزنگ: عدیل فاروق

سرورق: عدیل فاروق (ماخوذ: اوژیں اتژے)

قیمت: 100/-

رابطہ: 0333-6228187

zaar@raheelfarooq.com

بڑے بے نیاز کے نام

تھوڑی امید کے ساتھ

فہرست:

1.	پیش لفظ (راحیل فاروق)	11
2.	گر گئی قیمتِ نظر کچھ اور	15
3.	راہوں میں ٹھہر جاؤں، منزل سے گزر جاؤں	17
4.	ایک نادیدہ اداسی سی کہیں ہے جیسے	19
5.	گم ہے محفل، فسانہ بھی گم ہے	20
6.	کسے خبر تھی یہ تیور ہنر کے نکلیں گے	21
7.	جنوں نے تجھے ماورا کر دیا	23
8.	سائے سائے سے باندازِ دگر لے ڈوبے	25
9.	تم سے کچھ اور تعلق نہ سہی، مان تو ہے	26
10.	شام ہے، میں ہوں، رات کا ڈر ہے	27
11.	دل سے کوئی خطا نہ ہو جائے	29
12.	مہربانوں کی تمنا کیوں ہو؟	31
13.	دیکھنا خواب، تو دنیا کو دکھاتے پھرنا	32
14.	دیکھے ہوئے رستے ہیں، میں کھو ہی نہیں سکتا	34
15.	شہرہ آفاق بد دعا ہے مجھے	35

16. بنوں میں شہرۂ انصاف وعدل جب پہنچا 37
17. مجھ ناتواں پہ کاش نہ بارِ غزل پڑے 39
18. ذوق محدود، شوق لامحدود 41
19. میں، کہ تھا محوِ تماشا کب سے 43
20. ہے تو قدغن ہی مگر اس میں برا ہی کیا ہے؟ 44
21. وہ جو دیکھا گیا، سنا نہ گیا 45
22. شب گزیدے یونہی کچھ دیر بہل جاتے ہیں 47
23. کوئی کروٹ تو شب بدلتی آج 48
24. کوہ کن کوہ کن نہیں ہوتا 49
25. جہاں نیک نامی کی حد ہو گئی 51
26 سننے سے فائدہ، نہ سنانے سے فائدہ 52
27. تو بھی میرے ساتھ رسوا ہو گیا 53
28. نہ ہوئی چارہ گری دنیا میں 55
29. فہمِ آدابِ سفر اہلِ نظر رکھتے ہیں 56
30. لے کر یہ محبت کے آزار کدھر جائیں؟ 57
31. عشق اگر اشک بہانے سے امر ہو جائے 58
32. کوئی زندہ رہے کہ مر جائے 60
33. آخری وار سب سے کاری تھا 61
34. منزلوں کا سراغ تھا پہلے 62
35. سبقِ اولیں نہیں بھولا 63
36. ہم کہاں؟ تم کہاں؟ وہ رات کہاں؟ 64
37. شعر بیچوں گا، زہر کھا لوں گا 66
38. تبر و تیشہ و تاثیر کہاں سے لائیں؟ 67
39. نہ مجھے بھول سکے اور نہ اسے یاد رہے 68
40. مدت میں ایک بار پلٹ کر جو گھر گیا 69
41. سادہ ہیں لوگ، ارادوں کو اٹل کہتے ہیں 70
42 رحم کھا کشمکشِ جاں پہ، کوئی راہ نکال 71
43. شہر میں شور مچ گیا ہو گا 72
44. اہلِ دل تھا، بڑی مشکل میں تھا 73
45. کھنڈ گئی شاخچوں پہ زردی دوست 75
46. غبارِ دشت سے بڑھ کر غبار تھا کوئی 76
47. بت پرستوں میں خدا مستی ہے 77
48. خشک پھولوں کی باس لگتی ہے 78
49. ہم گئے ہار، لوگ جیت گئے 80
50. بے وفا تھا نہ تھا، خدا جانے 81
51. مصحف مصحف ورق ورق تھا 82
52. جیسے جیسے وقت گزرتا جائے گا 83
53. صید ہے اپنی ذات میاں 84

54.	جو کیا سو بصد ملال کیا	86
55.	آپ کو آپ ملامت کی ہے	87
56.	لوگ تنہا ہوئے، مجھ سا کوئی تنہا نہ ہوا	88
57.	دل زدہ شہر میں جب آئے گا	89
58.	جیتے جاتے ہیں، مرتے جاتے ہیں	90
59.	اس نے بھی جوگ لے لیا شاید	92
60.	یہ نہیں ہے کہ آرزو نہ رہی	94
61.	زندگی زندگی کے درپے ہے	95
62.	اگر نالۂ من رسد تا بہ پروین	96

پیش لفظ

میری کیفیت کچھ دنوں سے ایسی ہوگئی ہے کہ دانش مندانہ گفتگو اور فلسفہ طرازی کو بالکل جی نہیں چاہتا۔ ایک عرصہ ان ''مشاغل'' میں گزارنے کے بعد اب میں بالکل بیزار ہو گیا ہوں۔ میرے خیال میں یہ ایک منطقی نتیجہ ہے۔ ایسا ہوا ہے کیوں کہ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔

نیر مصطفیٰ دورِ جدید کے روایتی نابغوں میں سے ایک ہے۔ چونکہ وہ ایک روایتی نابغہ ہے اس لیے اس نے میری کتاب چھپوانے کی قیمت پر مجھے مامور کیا ہے کہ میں اپنے ''نظریۂ فن'' پر روشنی ڈالوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے اور آپ کو باور کرواسکوں کہ اس قسم کی کاوشیں شاذ و نادر ہی ہمارے لیے کسی حقیقی فائدے کی حامل ہوتی ہیں۔

فن زندگی کا ہر وہ وظیفہ ہے جس کا حق ادا ہو جائے۔ آپ شعر کہیے، کیرم کھیلیے، خط لکھیے، دوڑیے، بال بنائیے، ہنسیے، تمباکو پیجیے، ٹائپ کیجیے یا سو جائیے؛ ہر کام کا کچھ نہ کچھ حق تو ہے۔ اور وہ حق یہ ہے کہ اسے ایسے کیجیے جیسے کیا جانا چاہیے۔ یعنی زندوں کا ہر کام کسی نہ کسی حد تک فن ہوتا ہے۔ اب مثلاً آپ کہیں گے کہ بھئی! سگرٹ پینا ہی نہیں چاہیے، اس کا حق ادا کرنا چہ معنی دارد؟ تو صاحب! سگرٹ نوشی آپ کا فن نہیں ہے۔ جن کا ہوگا، ان کے ہاں پھر اختلاف ہوگا کہ اسے کیسے ''کیا جانا چاہیے۔'' فائدہ اس اختلاف کا یہ ہے کہ ایک فن کے دو حقیقی فن کار کبھی ایک سے نہیں ہوتے۔ فن خود کو دہراتا نہیں۔

ارسطو کا نظریۂ نقل بھی مزے کی چیز ہے۔ ڈیڑھ دو سال پہلے اچھا خاصا میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ آج کل نہیں آتا۔ دیکھیے، نقل کے لیے ضروری ہے کہ ناقل اور منقول جداگانہ اور آزاد مظاہر ہوں؛ ورنہ نقل محال ہو جائے گی۔ ٹوٹی ہوئی ٹانگ کے ساتھ آپ (خدانخواستہ!) ٹوٹی ہوئی ٹانگ کی نقل نہیں کر سکتے! ایک ہکلا دوسرے ہکلے کی نقل کیسے اتارے گا؟ اب اگر فن کار زندہ ہوتا ہے تو زندگی کی ''نقل'' چہ معنی دارد؟ دو باتیں ہو سکتی ہیں؛ اگر فن کار اپنی زندگی سے ہٹ کر زندگی کی

کسی اور مخصوص حالت کی نقل کرتا ہے تو پھر فن کو اس آفاقیت کا حامل تو نہیں ہونا چاہیے جس کا وہ ہے۔اور اگر، ارسطو کے اپنے خیال کے مطابق، وہ زندگی کے اصل سانچوں یا اعیان کی نقل کرتا ہے تو کیا وہ خود ان کے زیرِ اثر نہیں ہوتا؟

پھر ''تخلیقیت'' کا مفروضہ ہمارے حلقوں میں بہت عام ہے۔اپنے پورے ادھورے پن کے ساتھ! یعنی فن کار خالق ہوتا ہے۔بندہ پرور! اگر تخلیق اسی کا نام ہے کہ آپ کے کارنامے کے ڈانڈے نفسیاتی، معاشرتی، معاشی، سیاسی---ہمہ قسم عصری عوامل سے مل جائیں تو خالقِ کائنات خدا تو نہیں ہوسکتا۔کوئی تخلیق کار ہی ہوگا۔انسپائرڈ.....

آئن سٹائن نے ریاضی کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کے اصول جہاں تک یقینی ہوتے ہیں، حقیقت کی جانب اشارہ نہیں کرتے اور جہاں تک حقیقت سے علاقہ رکھتے ہیں، یقینی نہیں ہوتے۔یہ تناقض بنیادی طور پر فکر کے تمام شعبوں کی خاصیت ہے۔وجہ یہ ہے کہ نامعلوم کا دائرہ (اگر دائرہ ہے ظالم!) ہمیشہ معلوم کے دائرے سے بسیط تر ہوتا ہے۔ہونا بھی چاہیے۔دوسرا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ فکر اور لسان ساجی ارتقا کا نتیجہ ہیں۔یہ دونوں ابلاغ کے آلات ہیں جس پر معاشرے کے قیام اور استحکام کی بنیاد ہے۔غلطی ہماری یہ ہے کہ ہم انھیں خود زندگی کے لیے ناگزیر سمجھ لیں۔زندگی تو بغیر سوچے، بولے، لکھے، دیکھے، سنے بھی اچھی خاصی گزاری جاسکتی ہے۔

دوسری طرف، آپ بہت کچھ ایسا سوچ سکتے ہیں اور لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں جس کا زندگی سے دور کا بھی واسطہ نہ ہو۔فلسفے نے بہت دفعہ ایسا کیا ہے اور بدقسمتی سے آج کل فن بھی زیادہ تر یہی کر رہا ہے۔فن کار سوچ رہے ہیں اور اظہار کے نت نئے راستوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔تاریخ پر نظر دوڑائیں تو اس قسم کی مساعی نے تہذیب کو بے انتہا فائدے پہنچائے ہیں۔مگر یہ فن کاروں کا کام بہرحال نہیں ہے۔میرے خیال میں انھیں صرف زندگی کو ایسے گزارنے کی کوشش کرنی چاہیے جیسا کہ اس کا حق ہے۔اگر وہ جنگل میں نہیں رہتے تو ابلاغ خود ہو جائے گا!

شاید میں بہت کچھ واضح نہیں کر سکا مگر میرا کام ہو گیا ہے۔اب ایک دو اور باتیں---میں ایک نہایت، نہایت کم مطالعہ شخص ہوں۔اس کتاب میں توارد کے امکانات روشن ہیں۔لہٰذا سرقہ کے مدعیوں کی محنت کی پیشگی داد دیتا ہوں! دوسرے یہ کہ میرے مہربان نامہربانوں کی طرح لاتعداد ہیں۔اللہ سب کو بہت، بہت خوش رکھے۔اس کتاب کے سلسلے میں نیر مصطفیٰ کے علاوہ حسنین شہزادؔ، وسیم حسن فائقؔ اور ملک زاہد حسین زاہدؔ صاحبان کی خصوصی اعانت میسر آئی، تشکرم!

گھر والوں کا شکریہ میں ادا نہیں کرسکتا۔نہ کرنا چاہیے!

راحیلؔ فاروق

بابِ عمر۔عبدالحکیم

(۱۰جولائی،۲۰۱۰ء)

✸

گر گئی قیمتِ نظر کچھ اور
دیکھتے ورنہ دیدہ ور کچھ اور

اٹھ رہے ہیں حجاب ہائے نظر
ہو رہا ہے اِدھر اُدھر کچھ اور

ہے نئی زندگی کی پھر سے نوید
شاید آئیں گے چارہ گر کچھ اور

سر ہوئی تھی نہ منزلِ مقصود
ہو گئی وقت کی ڈگر کچھ اور

ابھی یزداں کو اور بھی ہیں کام
ٹھہر اے دل! ابھی ٹھہر کچھ اور

چھو گئے تم تو رفعتِ افلاک
تھک گئے کچھ شکستہ پر کچھ اور

اور ہے شوخیِ خرد کا علاج
ہے دوائے غمِ جگر کچھ اور

سب نظر کا فریب تھا راحیلؔ
چلتے یہ راہ چھوڑ کر، کچھ اور

✸

راہوں میں ٹھہر جاؤں، منزل سے گزر جاؤں
کچھ اور بھٹک لوں میں، حسرت میں نہ مر جاؤں

ہر راہ کا عالم اور، ہر گام پہ سو سو رنگ
سوچا کہ اِدھر جاؤں، چاہا کہ اُدھر جاؤں

کچھ اور کھٹک تھی تب، اب اور کسک سی ہے
مدت ہوئی نکلا تھا، اب جی میں ہے گھر جاؤں

ویرانیِ منزل کا افسانہ ہی کہ ڈالوں
کوئی تو سبق سیکھے، کچھ کام تو کر جاؤں

میں گردِ سفر بہتر، میں خاک سہی راحیلؔ
وہ بھی تو اڑائے گا، خود کیوں نہ بکھر جاؤں؟

٭

ایک نادیدہ اداسی سی کہیں ہے جیسے
حسن عالم میں کہیں اور نہیں ہے جیسے

تیری یادوں میں ہوا پھر وہی آفت کا گماں
کوئی اقلیمِ غزل زیرِ نگیں ہے جیسے

لوگ بھی جیسے کسی حشر کے عالم میں ہیں
منصفِ وقت بھی کچھ چیں بجبیں ہے جیسے

ایک مکّہ ہے تصور کا، جہاں ہر تعمیر
یوں دمکتی ہے کہ فردوسِ زمیں ہے جیسے

اپنی تدبیر کی چوکھٹ پہ کھڑا ہوں خاموش
ثبت ہر اینٹ پہ افلاسِ مکیں ہے جیسے

اجنبی شہر میں اسباب گنوا کر راحیلؔ
لوٹ آیا ہے، مگر اب بھی وہیں ہے جیسے

✸

گم ہے محفل، فسانہ بھی گم ہے
میں بھی چپ ہوں، زمانہ بھی گم ہے

عشرتِ خلد سے گئے، سو گئے
اب وہ گندم کا دانہ بھی گم ہے

آج طوفان کی شنید بھی تھی
اور وہ زانو، وہ شانہ بھی گم ہے

متغزل کے ہوش ہی نہیں گم
لغتِ شاعرانہ بھی گم ہے

باد و باراں کا زور ہے راحیلؔ
ہے خبر، آشیانہ بھی گم ہے

✸

کسے خبر تھی یہ تیور ہنر کے نکلیں گے
ہمی پہ قرض ہمارے جگر کے نکلیں گے

مچل رہے ہیں جو ارمان ایک مدت سے
ستم ظریف گنہگار کر کے نکلیں گے

گراں ہے نرخ بہت نعرۂ اناالحق کا
گلی گلی سے خریدار سر کے نکلیں گے

اصولِ عشق میں گویا یہ بات شامل ہے
اِدھر سے ہو کے دَلِدّر اُدھر کے نکلیں گے

غبارِ خاطر و گردِ سفر کو بیٹھنے دو
ہم انتظار کریں گے، ٹھہر کے نکلیں گے

ہوئے ہیں عشق میں راحیلؔ خانماں برباد
کہیں سنیں گے تو بھیدی بھی گھر کے نکلیں گے

✸

جنوں نے تجھے ماورا کر دیا
نہ دیکھا، نہ سمجھا، خدا کر دیا

خموشی کی سل جس نے توڑی، سلام!
صدا کو تقدس عطا کر دیا

یہ جو عشق ہم نے کیا، دوستو
بھلا کر گئے یا برا کر دیا؟

کسی دوست کا قرض ہے زندگی
دیا اور طوفان اٹھا کر دیا

ازل سے ہے دستورِ عالم یہی
روا کہ دیا، نا روا کر دیا

متاعِ دل و جاں تھی راحیلؔ ہیچ
اُسی نے اِسے بے بہا کر دیا

✸

سائے سائے سے باندازِ دگر لے ڈوبے
مجھے منزل سے بھی آگے کے سفر لے ڈوبے

وہ جو پھرتے تھے خبر تیرگیوں کی لیتے
اِدھر آئے تو کئی چاند اِدھر لے ڈوبے

ابنِ آدم کی تو بو تک نہ رہی گلیوں میں
میری بستی کو خداؤں کے یہ گھر لے ڈوبے

کیسے خاموش اندھیروں میں چھپے بیٹھے ہیں
ایسے اندھیر کہ امیدِ سحر لے ڈوبے

میرے ہم راز نے کیا خوب کہا تھا راحیلؔ
تجھے ممکن ہے یہی ذوقِ نظر لے ڈوبے

✸

تم سے کچھ اور تعلق نہ سہی، مان تو ہے
راہ منزل کی نہیں ہے مگر آسان تو ہے

یہ بہت ہے کہ میسر ہے غزل کا سامان
یہی کافی ہے کہ دل میں کوئی ارمان تو ہے

بات کی تاب رہے یا نہ رہے، کیا معلوم؟
عشق ہے، عشق میں آزار کا امکان تو ہے

منزلِ عشق بلا سے کبھی ہوتی ہی نہ ہو
منزلِ عشق پہ ایمان ہے، ایمان تو ہے

لوگ ہیں اور ہے افسانہ ہمارا راحیلؔ
بات کچھ بھی نہ سہی، شہر میں طوفان تو ہے

✸

شام ہے، میں ہوں، رات کا ڈر ہے
یہ مقدر بھی کیا مقدر ہے

شاعرانہ سی بات ہے لیکن
حسن آبِ بقا سے بڑھ کر ہے

منزلیں تیرہ، تیرہ تر راہیں
کون جانے کوئی کہاں پر ہے

دیکھ، حسنِ طلب کی بات نہ کر
شہر میں ایک ہی گداگر ہے

ایک جھونکے کے فیض سے رستہ
برزخِ عشق تک معطر ہے

مجھ میں دو شخص جیتے ہیں راحیلؔ
ایک ناظر ہے، ایک منظر ہے

✸

دل سے کوئی خطا نہ ہو جائے
کچھ زیادہ برا نہ ہو جائے

عشق منزل سرائے حیرت ہے
کہیں پھر کچھ نیا نہ ہو جائے

جس پہ نازاں ہے شمعِ دورِ نوی
وہ شرارہ فنا نہ ہو جائے

اس چکا چوند روشنی میں کہیں
چشمِ امکان وا نہ ہو جائے

یہ جو رہ رہ کے ٹیس اٹھتی ہے
دل کی دھڑکن بلا نہ ہو جائے

Thank You for previewing this eBook

You can read the full version of this eBook in different formats:

- HTML (Free /Available to everyone)
- PDF / TXT (Available to V.I.P. members. Free Standard members can access up to 5 PDF/TXT eBooks per month each month)
- Epub & Mobipocket (Exclusive to V.I.P. members)

To download this full book, simply select the format you desire below

Free-Ebooks.net